پروفیسر ثناء اللہ مجاھد

نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا عقلی ثبوت

تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں لاتعداد لوگ اپنے آپ کو قیادت و سیادت کے منصب کے لئے پیش کرتے رہے ہیں لیکن مدعیان کے دعا کا اگر نظر عمیق جائزہ لیا جائے تو ان کی تہہ میں درج ذیل اغراض و مقاصد اور مصالح کارفرما نظر آئیں گے۔

(الف) مال و دولت اور شہرت کے حصول کی آرزو

(ب) عزو جاہ کا حصول اور افتخار حاصل کرنے کی تمنا

(ج) عیاشی و فحاشی اور بدکاری کی زندگی بسر کرنے کی خواہش

(د) ذاتی طمع اور نفسانی خواہشات سے بالا تر ہو کر مخلوق خدا کی رشد و ہدایت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرنا۔

پیرا "د" میں ذکر کردہ ان مدعیان میں سے ایک سلسلۃ الذہب ایسا بھی ہے جس کی ہر کڑی نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک اپنے آپ کو لوگوں کی زندگیوں میں آنے والے بگاڑ کی اصلاح کے لئے پیش کیا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو اس کے بندوں تک انہی کی فلاح کی خاطر بغیر کسی معاوضے کے پہنچایا اور اس راہ میں پیش آمدہ مصائب و تکالیف کو صبر و خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

ان نفوس قدسیہ کو نبی، رسول یا پیغمبر کہتے ہیں۔ انبیاء کے اسی سلسلے میں سے آج سے تقریباً چودہ صدیاں قبل عرب کے ریگزار میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت رسول مبعوث ہوئے آئندہ صفحات میں ہم آپ ؐ کی نبوت

کے ان گنت عقلی و نقلی دلائل میں سے چند عقلی دلائل پیش کرتے ہیں۔

ان دلائل کو پیش کرنے سے قبل ضروری ہے کہ اس وقت کی دنیا کے مذہبی، سیاسی اخلاقی اور معاشرتی حالات کا عموماً اور جزیرۃ العرب کے ان حالات کا خصوصاً جائزہ لیا جائے تاکہ قاری کے ذہن میں یہ باتیں بطور پس منظر کے موجود رہیں۔

چھٹی صدی مسیحی میں دنیا میں ہر شعبہ زندگی میں انتشار کا شکار تھی۔ متمدن اقوام میں رومی ایرانی اور ہندوستانی اقوام کا شمار کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ان ممالک کی سیاسی کیفیت یہ تھی کہ یہ تمام عظیم سلطنتیں جن کا رعب و دبدبہ اور ہیبت و شوکت ایک زمانے پر طاری تھی، اب اضمحلال کا شکار تھیں۔ مرکز کی کمزوریوں کی بنا پر بے شمار چھوٹی چھوٹی ریاستیں وجود میں آگئیں تھیں بہ الفاظ دیگر طوائف الملوکی کی سی کیفیت تھی۔

اس انتشار و افراتفری کے عالم کے باوجود دربار اور سرکار سے وابستہ لوگ اپنی زندگی کا ہر ہر لمحہ عیش و مستی میں بسر کرنا چاہتے تھے۔ ان کی عیاشی کا دارومدار عوام پر عائد کردہ ٹیکس تھے۔ جن میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا۔ اور عوام کی حالت بار برداری کے ان جانوروں کی سی ہوگئی تھی جن کی پیٹھ پر لحظہ بہ لحظہ بوجھ بڑھتا چلا جا رہا ہو۔

عیش و مستی کے ان متوالوں نے اپنی عیاشی کو دوام بخشنے کے لئے عوام کو مختلف طبقوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ان میں سب سے مظلوم طبقہ وہ تھا جن کے ذمے اپنے سے برتر طبقوں کی خدمت سرانجام دینا تھا۔ جس میں انھیں ذرا سرتابی کی مجال نہ تھی۔ کہیں اس طبقے کو شودر اور غلام کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ انھیں اس ظلم و جبر و استحصال کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کا بھی یارا نہ تھا۔

دوسرا مظلوم طبقہ عورتوں کا تھا جنھیں اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا کوئی اختیار نہ تھا۔ اگر عرب میں انہیں پیدا ہوتے ہی زندہ گاڑ دیا جاتا تھا۔ تو ہندوستان میں خاوند کی موت کے بعد زبردستی آگ میں جلا دیا جاتا تھا۔ ایک طرف انھیں مندروں میں دیوداسیاں اور کلیساؤں میں راہبات بننے پر مجبور کیا جاتا تھا تو دوسری طرف ان متمدن ممالک میں عورتوں کو اجتماعی ملکیت سمجھا جاتا تھا۔ ان رشتوں کی تقدیس اور حرمت مجروح کی جارہی تھی جن کی تقدیس اور حرمت سب اقوام میں مسلم تھی، بیٹیوں اور ماؤں تک سے ازدواجی تعلقات قائم کئے جاتے تھے۔

پوری دنیا میں خدا کی وحدانیت کا انکار کیا جا رہا تھا، کہیں دو خداؤں کی پرستش تھی تو کہیں تین کی۔

بت پرستی اپنے پورے شباب پر تھی۔ جن مذاہب نے کبھی بت پرستی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تھی وہ بھی اس سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے تھے غرضیکہ روئے زمین پر کوئی بھی مذہب ایسا نہ تھا جو بھٹکی ہوئی انسانیت کو صراط مستقیم پر چلا سکتا۔

اس دور کی دنیا اس قدر ترقی کی راہ پر گامزن نہ تھی جیسی ترقی ہمیں موجودہ دور میں دکھائی دیتی ہے ذرائع مواصلات نے پوری دنیا کو ایک شہر بنا کر رکھ دیا ہے دوسری طرف تار، ٹیلیفون ریڈیو اور ٹیلیویژن جیسی ایجادات نے یہ فاصلے اور مختصر کر دیئے ہیں۔ اب پوری دنیا ایک گھر کے آنگن کی طرح سمٹ کر رہ گئی ہے۔

لیکن جس دور کا ذکر ہم کر رہے ہیں اس وقت ذرائع مواصلات کی سست رفتاری کی وجہ سے بعض اوقات ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر میں مہینوں کی مدت صرف ہوتی تھی۔ سیر و سیاحت محض تفریحاً کہیں جانا ایک ایسی بات تھی جو ماورائے گمان تھی۔ سفر محض تجارتی نقطہ نگاہ سے ہوتا تھا۔ جزیرہ نما عرب اپنے مخصوص جغرافیائی ماحول کی بنا پر پوری دنیا سے الگ تھلگ تھا۔ ریت کے بڑے بڑے پہاڑوں نے اس خطے کو پوری دنیا سے جدا کر رکھا تھا۔

ان مخصوص جغرافیائی حالات کی بنا پر کوئی غیر ملکی طاقت عربوں پر اپنا تسلط قائم نہ کر سکی اور یہی وہ حالات تھے جن کی بنا پر دم توڑتی ہوئی متمدن اقوام کی طرح عربوں کے قویٰ پست نہیں ہوئے تھے۔ ان میں دنیا پر چھا جانے کی صلاحیت پوری طرح موجود تھی۔ لیکن کسی ہادی کی مسلسل کئی صدیوں تک عدم موجودگی کی وجہ سے ان کی خوبیاں، خامیاں اور فضائل، رذائل میں تبدیل ہو گئے تھے۔ عرب کی کوئی ایک ایسی بستی نہ تھی، جہاں کوئی باقاعدہ حکومت قائم ہو۔ اسی لئے عربوں کو کسی ضابطے یا قانون کی پابندی گوارا نہ تھی۔ نہ ان میں کوئی تمدن تھا، گنتی کے چند لوگوں کے سوا کوئی لکھنا پڑھنا نہ جانتا تھا، کوئی مدرسہ تھا نہ کوئی کتب خانہ، اور جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے وہ بھی اس حد تک نہیں جانتے تھے کہ کسی نظام حیات کے فلسفے کو سمجھ سکیں۔ اخلاقی اور معاشرتی طور پر ان کی کیفیت یہ تھی کہ ہر طاقتور اپنے سے کمزور کو کچلنے میں پوری طرح مصروف تھا۔ قبائلی عصبیت پوری طرح اجاگر تھی۔ معمولی باتوں پر خون ریزیوں کا وہ سلسلہ شروع ہوتا تھا جن کا اختتام بسا اوقات سالوں میں بھی نہیں ہو پاتا تھا کمزور قبائل اور قافلوں کا لوٹ لینا اور لوگوں کو غلام بنا کر فروخت کر دینا معیوب تصور نہیں کیا جاتا تھا۔ شراب نوشی، چوری، بدکاری،

قتل وغارت گری، غرض یہ کہ ہر اخلاقی برائی ان کے اندر پوری طرح موجود تھی ۔ لہ

عرب اپنی آزادی کے زعم میں اس قدر مبتلا تھے کہ ان کو کسی حکمران کی اطاعت گوارا نہ تھی ۔ دوسری طرف ان کی یہی اکڑی ہوئی گردنیں خرافات اور اوہام کے آگے جس طرح جھک جھک جاتیں تھیں وہ بجائے خود ایک شرمناک حقیقت تھی بتوں کی پوجا پرستش پورے جزیرۃ العرب میں عام تھی ۔ سفر میں اگر بت دستیاب نہ ہوتے تھے تو ہر چکنے پتھر کو الہ بنا لیا جاتا تھا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ریت کی ڈھیری پر بھیڑ کو دوھ کر اس اس کی پرستش شروع کر دیتے تھے ۲ہ

ان حالات میں اور ایسی بگڑی قوم ہوئی قوم میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ۔ بچے کی اولین تربیت گاہ والدین کی آغوش ہوتی ہے ۔ لیکن آپؐ تو اپنی پیدائش سے پہلے ہی یتیم ہو گئے تھے ۔ بچپن میں دستور کے مطابق ایک گاؤں میں بھیج دیئے تھے ۔ جب وہاں سے واپسی ہوئی تو شفقت مادری سے بھی محروم ہو گئے ۔ اسی طرح دادا کا سایہ عاطفت بھی زیادہ دیر تک سر پر قائم نہیں رہا ۔ اگرچہ آپ نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہیں کیا ۳ہ لیکن عالم لڑکپن ہی میں آپؐ کے اندر وقار اور شائستگی بدرجہ اتم

لہ ان برائیوں کی واضح تصویر حضرت جعفر بن ابی طالب کی اس تقریر سے سامنے آتی ہے جو انہوں نے شاہ نجاشی کے دربار میں کی تھی ۔ آپ نے فرمایا :

ایھا الملک کنا اھل جاھلیۃ نعبد الاصنام ونأکل المیتۃ ونأتی الفواحش ونقطع الاحارم ونسئی الجوار ویاکل القوی من الضعیف ۔

" اے بادشاہ ہم لوگ جاہل قوم تھے بت پوجتے تھے ، مردار کھاتے تھے ، بدکاریاں کرتے تھے ہمسایوں کو ستاتے تھے ، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا ۔ قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے (ابن اثیر ، الکامل فی التاریخ جلد دوم بیروت دار صادر ، ۱۹۶۵ ، ص ۸۰ ۔

۲ہ ارض القرآن جلد دوم از مولانا سید سلیمان ندوی ص ۱۸۱ ۔

۳ہ ما کنت تتلوا من قبلہ من کتب ولا تخطہ بیمینک ۔

(اور آپؐ اس (کتاب) سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے) سورۃ العنکبوت ، آیت ۴۸ ۔

موجود تھی۔ کبھی کسی کے سامنے برہنہ نہیں ہوئے جب کہ اس ماحول میں سب کے سامنے بلا تکلف برہنہ ہوجانا معیوب تصور نہیں کیا جاتا تھا کبھی قصہ گوئی کی محفلوں میں یا لغویات میں شریک نہیں ہوئے۔ عرب جن خرافات میں مبتلا تھے آپؐ انکے سائے سے بھی دور رہتے تھے۔

آپؐ نے عمر کے چالیس برس اس قوم کے اندر بسر کئے جن کی حالت اوپر مذکور ہوچکی ہے لیکن اس کے باوجود آپؐ اس قوم کے رزائل سے کوسوں پرے تھے۔ آپؐ کے دعویٰ نبوت سے قبل ہی لوگ آپؐ کو صادق امین کے لقب سے ملقب کرتے تھے[۴] آپؐ کے بے داغ کردار میں ایک ادنیٰ سا دھبہ بھی اس قوم کو کبھی نظر نہیں آیا۔

چالیس برس کی عمر تک پہنچنے پر یکایک آپؐ میں ایک عظیم تغیر رونما ہوتا ہے۔ آپ اپنی قوم کو اللہ واحد پر ایمان لانے اور رزائل کو ترک کرکے فضائل اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ وہی قوم جو آپ کے اعلیٰ اخلاق وکردار کی معترف ہے[۵] محض اس بنا پر آپؐ کو ستانا شروع کرتی ہے کہ آپؐ ان کے خود ساختہ معبودوں سے برات کا اظہار کیوں کرتے ہیں اپنے باپ دادا کے وقتوں سے جن اوہام وخرافات میں وہ مبتلا تھے ان کو ترک کردینے کے لئے کیوں کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہادی برحق حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کے اثبات کے لئے اپنی قوم میں آپؐ کا طویل رہن سہن ہی ایک دلیل کے طور پر پیش کیا گیا[۶] سوچنے کی بات ہے کہ جس شخص نے اپنی ذاتی زندگی کے نفع کی خاطر کسی کو فریب نہیں دیا۔ کسی سے بدمعاملگی نہیں کی۔ کسی کی امانت میں خیانت نہیں کی، کبھی جھوٹ نہیں بولا وہ نبوت کے سلسلے میں کیونکر جھوٹ بولے گا جب کہ اس میں اس کا اپنا ذاتی نفع بھی نہیں ہے۔

---

۴ قالوا هذا الامین قد رضینا به، طبری، تاریخ الامم والملوک جلد دوم قاہرہ، مطبع الاستقامۃ ۱۹۳۹ ص ۱۴۱۔

۵ بخاری " باب کیف بدء الوحی" مکالمہ مابین قیصر وابوسفیان۔

۶ فقد لبثت فیکم عمرا من قبله افلا تعقلون

(اس سے پہلے بھی تو میں ایک بڑے حصہ عمر تک تم میں رہ چکا ہوں پھر کیا تم اتنی عقل نہیں رکھتے) سورہ یونس، آیت ۱۶

لیکن جاہل قوم بھلا یہ کیونکر سمجھتی اس نے تو اپنی نادانی اور جہالت کے سبب اس پاکباز انسان کو ستانا شروع کردیا، گالیاں دیں، پتھر مارے، ہنسی اڑائی، راستے میں کانٹے بچھائے، غلاظت ڈالی، سماجی مقاطعہ کیا، قتل تک کی سازش کی، بالآخر وطن سے نکل جانے پر مجبور کیا، وطن سے نکال کر بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا، جنگوں سے اور سازشوں کا ایک طویل جال پھیلا دیا۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ یہ عظیم المرتبت انسان ان کی دنیوی اور اخروی دونوں زندگیوں کو خیر و برکت سے معمور دیکھنا چاہتا تھا۔

آپؐ کی قوم نے آپؐ کو اس فریضے سے باز رکھنے کے لئے ابتدا میں بیان کئے گئے تمام اسباب کا سہارا لیا بادشاہی کی پیش کش کی، خوبصورت عورتوں پر فریفتہ کرنا چاہا، مال و دولت کا لالچ دیا۔ لیکن آپؐ کے پائے استقامت میں کوئی لغزش نہ آئی ؎

ہر شخص کی زندگی دو رخی ہوتی ہے۔ ایک اس کی نجی زندگی دوسری مجلسی زندگی۔ ایک شخص جو اپنی مجلسی زندگی میں بڑا حلیم الطبع، بہت ہنس اور مہذب ہوتا ہے، اپنی نجی زندگی میں اس کے بالکل برعکس بھی ہوسکتا ہے۔ کسی انسان کی کمزوریوں سے اس کی شریک حیات، غلاموں، زیر کفالت افراد اور دوستوں سے بڑھ کر کون آگاہ ہوسکتا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی دعوت پر سب سے پہلے یہی لوگ لبیک کہتے ہیں ؎ کیا اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ آپؐ کی مجلسی زندگی اور نجی زندگی بالکل یکساں تھیں ان میں کوئی تضاد نہیں تھا۔

آپؐ کی قوم جب آپؐ پر عرصہ حیات تنگ کرتی ہے تو آپ کے پیروان کے لئے بددعا کرنے کی درخواست کرتے ہیں لیکن آپ فرماتے ہیں کہ میں تو دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ ؎

---

۵۷ ابن ہشام السیرۃ النبویہ جلد اول مصر؛ مصطفیٰ بابی الحلبی ۱۹۳۶؛ ص ۳۱۲، ۲۱۴

۵۸ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو پہلی وحی کے موقع پر اس طرح تسلی دی تھی۔

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ بالکل نہ ڈریں خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے آپ تو اس امت کے نبی بنے جا رہے ہیں۔ اپنا دل ذرا مضبوط کیجئے۔ بھلا اللہ آپ کو کیوں کر رسوا کرے گا، تنہا چھوڑ دے گا۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا آپ تو رشتوں کو جوڑنے والے ہیں، سچ بولتے ہیں دوسروں کی غمخواری میں تکلیفیں اٹھاتے ہیں مہمانوں کی خاطر داری کرتے ہیں اور حق و انصاف کی اعانت کرتے ہیں آپ اللہ کے نبی ہیں اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا"۔ ابن سعد، طبقات ابن سعد، اردو ترجمہ جلد اول ص ۲۹۲، ۲۹۳ کراچی، نفیس اکیڈمی

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

وہ قوم جس نے مسلسل بیس برس تک آپ کو مصیبت و ابتلا میں مبتلا کر رکھا تھا، جب آپ نے ان پر قابو پا لیا تو ان کی حالت دیدنی تھی۔ اپنے گناہوں کے سبب ان کو اپنا انجام نظر آ رہا تھا لیکن آپ نے سب کو بلا استثناء معاف فرما دیا[10]۔ کیا دنیا کسی فاتح کے ایسے حسن سلوک کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے؟ آپ نے تو ان دشمنوں کے خلاف بھی جو میدان جنگ میں آپ سے برسرپیکار تھے، انسانیت سوز سلوک سے منع فرمایا[11]۔

ایسا شخص جس نے اپنی ذات پر ہونے والے کسی ظلم و زیادتی کا بدلہ نہیں لیا بلکہ تمام اعدا کو خندہ پیشانی سے معاف فرما دیا۔ جس کی ساری زندگی عفو و کرم کا بہترین نمونہ تھی، جس نے خود کو لوگوں کے مجمع کے سامنے پیش کر دیا کہ اگر اس سے کوئی زیادتی کسی کے ساتھ ہوئی ہے تو وہ اپنا بدلہ لے لے[12]۔ کیا ایسا شخص اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہو سکتا ہے۔

آپ اس قوم سے تعلق رکھتے تھے جس کی فصاحت ضرب المثل تھی جن کو اپنی زبان دانی پر بڑا ناز تھا۔ جو حقارت سے دوسروں کو عجمی کہتے تھے، جن کی لونڈیاں تک شاعر ہوتی تھیں، ان کے سامنے آپ نے ایسا کلام پیش کیا جو یوں تو انہی حروف تہجی سے عبارت تھا جن سے وہ اپنے شعر اور خطبے موزوں کرتے تھے لیکن اپنے اسلوب کے لحاظ سے ان سے بالکل جدا تھا۔ آپ نے اس قوم کے سامنے اس کلام کو اس چیلنج کے ساتھ پیش کیا کہ تم بھی اس جیسے کلام کا ایک حصہ بنا لاؤ[13] لیکن اپنے تمام بغض و عناد اور تمام تر کوششوں

بقیہ صفحہ گذشتہ

۹ ایک دفعہ چند اصحاب نے دشمنوں کے حق میں بددعا کرنے کو کہا تو فرمایا "میں دنیا کے لئے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں" (صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ والادب)۔

۱۰ سیرت النبی از مولانا شبلی نعمانی جلد اول ص ۴۸۰۔

۱۱ جیش موتہ کو رخصت کرتے وقت آپ نے فرمایا "دیکھو عورت، شیرخوار بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، نہ کھجور یا دوسرا درخت کاٹنا، نہ کوئی عمارت مسمار کرنا"۔ (خطبات نبوی از محمد ادریس طوردی۔ ص ۸۷)۔

۱۲ ابن اثیر محولہ بالا جلد دوم ص ۳۱۹۔

۱۳ وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہداءکم من دون اللہ
(اور اگر تم کچھ خلجان میں ہو اس (کتاب) کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندے پر تو اچھا تم بنا لاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلہ ہو اور بلا لو اپنے حمائیتوں کو جو خدا سے الگ (تجویز کر رکھے) ہیں) سورۃ بقرہ۔ آیت ۲۳

کے باوجود وہ ایسے کلام کا ایک جملہ بھی موزوں نہ کر سکے۔ ایسا موقع اگر کسی دنیا دار کے ساتھ پیش آئے تو وہ فخر و مباہات کے اس عالم میں اپنی اصلیت بھی بھول جاتے۔ آپ جو کہ افصح العرب تھے[۱۴] اگر چاہتے تو بڑی آسانی سے اس کلام کو اپنی ذات سے منسوب کر سکتے تھے اور چھوٹے آدمی تو دوسرے کارناموں کو بھی اپنی ذات سے وابستہ کر لیتے ہیں لیکن آپ نے برسرعام یہ کہا کہ یہ ان کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ تو اس ذات واحد کا کلام ہے جس کی بندگی کے لئے وہ اپنی قوم کو دعوت دیتے ہیں۔ کیا یہ ان کے دعوے کی سچائی کے لئے کافی نہیں ہے؟

دنیا میں کوئی ایسا لیڈر یا مصلح پیدا نہیں ہوا جو اپنی نجی زندگی کھلے عام لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی جرأت کر سکے۔ اس لئے ان کی نجی زندگیوں میں بہت سی باتیں ناگفتنی ہوتی ہیں۔ لیکن قربان جائیے اس ہادی برحق پر کہ جس کی نجی زندگی کا کوئی گوشہ پنہاں نہیں ہے بلکہ جس نے خود کہہ دیا کہ میری ہر بات کو دوسرے لوگوں تک پہنچاؤ، کسی بات کو چھپاؤ نہیں[۱۵]۔ ایسا راہنما جس کے پیرو اس پر اپنی جانیں نچھاور کرنا اپنے لئے باعث سعادت سمجھیں۔ جو آپؐ کے پسینے کا کوئی قطرہ بھی زمین پر نہ گرنے دیں[۱۶] جو آپ کی ہر بات پر سمعنا واطعنا کہیں، ان کی موجودگی میں اگر آپ چاہتے ہیں تو آپؐ ایک لامتناہی اختیار رکھنے والے ڈکٹیٹر بن سکتے تھے۔ اپنی زندگی کو عیش و عشرت کے سانچوں میں ڈھال سکتے تھے لیکن عملی زندگی میں آپ کا اسوہ حسنہ کیا تھا؟ وہ سب پر عیاں ہے کہ جب کوئی کام سب لوگوں پر تقسیم کیا جاتا تھا تو آپ، اپنے حصے کا کام خود سرانجام دیتے تھے۔ خندق کھودتے وقت آپ پاؤں پر پاؤں رکھ کر نہیں بیٹھ گئے تھے کہ آپ کے جانثار اس کام کو خود سرانجام

---

۱۴ آپ کا ارشاد گرامی ہے۔ انا افصح العرب

۱۵ بخاری کتاب الانبیاء

۱۶ حدیبیہ کے مقام پر مشرکین مکہ کی طرف سے عروہ بن مسعود ثقفی، آپؐ کے ساتھ صلح کی شرائط طے کرنے آیا تھا اس کی گواہی آپ کے عقیدت کیشوں کے بارے میں اس طرح تھی۔

"میں نے قیصر و کسریٰ و نجاشی کے دربار دیکھے ہیں یہ عقیدت و وارفتگی کہیں نہیں دیکھی۔ محمدؐ بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔ وہ وضو کرتے ہیں تو پانی گرتا ہے اس پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے، بلغم یا تھوک گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور چہرہ اور ہاتھوں پر مل لیتے ہیں"۔
(بخاری باب الشروط فی الجہاد)

دے لیں گے بلکہ آپ نے ان کے شانہ بشانہ ویسا ہی کام کیا۔

آخر وقت میں جب کہ پورے خطۂ عرب پر آپ کی حکومت تسلیم کر لی گئی تھی مال غنیمت اور دوسرے اموال کثرت سے آنے لگے، اس وقت بھی آپ کی یہ کیفیت تھی کہ ایک دن کے لئے بھی ان اموال کو اپنے پاس رکھنا گوارا نہ کرتے تھے۔ اپنے متعلقین کے لئے بھی یہ پسند نہ فرماتے کہ وہ دنیاوی اموال میں کچھ پائیں [۱] وصال کے وقت تک آپ نے کبھی بھی پیٹ بھر کر دونوں وقت کھانا نہیں کھایا۔

عرب کے قبائل جس طرز حیات کے خوگر تھے اس میں آپس کی دشمنیاں، بغض وعناد، قبائلی عصبیت اور مفافرت، ایسی برائیاں تھیں جو ان کے خمیر میں پوری طرح رچ بس گئیں تھیں کوئی قبیلہ کسی دوسرے قبیلہ کی بالادستی تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ ایسی سفاک اور خونریز قوم کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا، ان میں اخوت قائم کر کے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دینا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا کارنامہ ہے جو آپ کی نبوت کے اثبات کے لئے واضح دلیل ہے۔

پھر آپ دیکھیئے کہ ایک امی شخص جس نے اپنی پوری زندگی انہی عربوں کے ساتھ گزاری جو خود ان پڑھ تھے کسی مذہب، سوائے اوہام وخرافات کے ماننے پر آمادہ نہ تھے اس پر آپ کی عقل سلیم کا اندازہ کیجئے کہ آپ کی زندگی میں ایک حسین توافق تھا، توازن تھا، ہم آہنگی تھی جو افراط وتفریط سے پاک تھی، نہ آپ دنیا ترک کر کے محض یاد اللہ میں زندگی بسر کرنے کی ترغیب دیتے تھے، نہ بالکل دنیا میں کھو جانے کی۔ آپؐ نے پوری زندگی مختلف حیثیتوں سے بسر کی۔ آپ مبلغ بھی، معلم بھی، شارح کتاب بھی تھے، شارع بھی قاضی بھی تھے حاکم بھی، حکمراں بھی تھے سپہ سالار بھی، باپ بھی تھے شوہر بھی، داماد بھی تھے سسر بھی، تاجر بھی تھے چرواہے بھی تھے، غرضیکہ کوئی بھی شعبہ ہائے زندگی ایسا نہ تھا جس میں آپ کا دخل نہ ہو لیکن اس کے باوجود یہ ہم آہنگی یہ اعتدال اس بات کا بین ثبوت ہے کہ آپ اپنے دعویٔ نبوت میں صادق تھے۔

دنیاوی قوانین کی تدوین وترتیب کے لئے متمدن ممالک میں کمیٹیاں بنائی جاتی ہیں، اسکالروں کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں بہت بحث وتمحیص کے بعد قواعد مرتب کئے جاتے ہیں۔ لیکن وہ قواعد ایسے

---

[۱] ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ کے گلے میں سونے کا ہار دیکھا تو فرمایا کہ تم کو یہ گوارا نہ ہوگا جب لوگ کہیں گے کہ پیغمبر کی لڑکی کے گلے میں آگ کا ہار ہے۔ (نسائی جلد دوم ص ۱۴۳)

بقیہ صفحہ ۱۴ پر